ڈاکٹر فاخرہ نورین
لیکچرار، گورنمنٹ کالج ڈھوک منگٹال، راولپنڈی

سوانح اور خاکے کا ترجمہ: فن اور مسائل

Dr Fakhra Noreen

Lecturer, Govt. College Dhoke Mangtal Rawalpindi.

Art and Problems of Translation of Biography and Sketch Writing

Translation is a way to bridge the gap of linguistic and cultural differences not only between two languages but two nations and two civilizations.Biography and sketch writing are almost same genres of non fiction.Translation from english to Urdu has always been affected by many factors.Function of non fiction to provide information in a literary style.Translators have gone under pressures when translating from english to Urdu but commercial translators and publishing industry have made translation a mockery.some examples of poor or mistranslation are qouted in this artical.

سوانح اور خاکہ نگاری کسی شخصیت کو اپنی عادات و اطوار، مشاغلِ زندگی اور تعمیر شخصیت میں ممد عوامل کی عکاسی کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر محفوظ کرنے کی تقریباً مماثل مساعی ہیں۔ دونوں میں فرق تفصیل اور ایجاز کا ہے۔ سوانح میں:

> ......شعوری طور پر ایک فرد کی زندگی کو مربوط کیا جاتا ہے اس لیے اس شعور میں تاریخ سے مدد لی جاتی ہے لیکن اس کی تخلیقی صفت اور دلچسپی پیدا کرنے کی ضرورت نے ادبی اصناف سے اس کا دامن باندھ دیا ہے اس لیے ایک سوانح میں تاریخ، فردِ واحد اور ادبی چاشنی، تینوں کی آمیزش ہوتی ہے اور یہی حسنِ ترتیب اس کے حسن کا سبب بن جاتی ہے۔ ''سوانح نہ تو تاریخ ہے اور نہ افسانہ بلکہ وہ تاریخ کی بے وقعت سچائی اور افسانے کی غیر حقیقی زندگی دونوں کے درمیان کی چیز ہے۔'' سوانح کو محض واقعات کی کھتونی اور حالاتِ زندگی کا ریکارڈ بنا دینا مناسب نہیں۔ ایسی سوانح، نہ تاریخ کے زمرے میں آتی ہے اور نہ فن سوانح نگاری کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ ''سوانح میں ہیرو کی ذہنی کیفیت تک پہنچ کر اسے ٹٹولنا اور اس کی شخصیت کے اتار چڑھاؤ کو گرفت میں لے لینا ایک اچھے سوانح نگار کا بنیادی فرض ہے اور پھر ان الجھنوں کو بڑی خوبصورتی، دیانت اور سب سے زیادہ بے باکی سے بیان کرنا لازمی ہے۔ اس کی یہی فنی ترتیب اور تنظیم سوانح کی اساس ہے۔[۱]

سوانح نگاری کی اس تفصیلی تعریف میں اس کی فکری و فنی خوبیاں بھی آ گئی ہیں۔ یعنی سوانح نگار چونکہ ایک طرف تو، ہیرو کی

شخصیت اور حالاتِ زندگی کو قلم بند کر کے تاریخ میں اسے محفوظ کر رہا ہوتا ہے لہٰذا اسے من گھڑت واقعات اور خوبیوں کے بجائے فرد کی اصل زندگی کو تحریر کرنا ہوتا ہے۔ دوسری طرف فن کی سطح پر اسے ان واقعات کو بے رس اور اکتا دینے والے اسلوب کے بجائے انھیں اپنے موئے قلم کی گلفشانیوں سے اس طرح ترتیب دینا ہوتا ہے کہ کسی فرد کی پیدائش سے لے کر وفات تک کی کہانی کسی جھول اور عدم تسلسل کے بغیر سپر دِ قلم ہو جائے۔ چنانچہ کامیاب سوانح نگار بڑا خوش اسلوب فنکار ہوتا ہے۔

خاکہ نگاری سوانح نگاری کے مماثل ہی وہ صنفِ ادب ہے جو حقائق اور حقیقی افراد سے بحث کرتی ہے لیکن یہ عموماً کسی شخصیت کی پوری زندگی کے بجائے اس کے چند ایک یا کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔

> ......خاکہ میں تو کسی شخصیت کو جیسی وہ ہوتی ہے مِن وعن ویسا ہی پیش کر دیا جاتا ہے۔ اسے اچھا یا برا کچھ اور ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اس کی زندگی کے مختلف واقعات کا علمی بصیرت سے انتخاب کر کے پوری فنی مہارت سے ان کی ترتیب قائم کی جاتی ہے اور یوں زندہ شخصیت سامنے آتی ہے۔ اچھے خاکہ نگار کا نقطۂ نظر ضرور ہمدردانہ ہوتا ہے لیکن وہ حتی الوسع غیر جانبدار ہی رہتا ہے۔۲

خاکہ اور سوانح کا ترجمہ بھی دیگر تراجم کی طرح مسائل سے خالی نہیں ہے۔ ثقافتی اور تاریخی مسائل جو خود نوشت سوانح، یادداشتوں اور ڈائری کے ترجمے میں درپیش ہوتے ہیں۔ چونکہ موضوع انگریزی سے اردو میں ترجمے کے مسائل پر ہے تو خاص طور پر اس صورت میں مترجم کے لیے سب سے پہلا مسئلہ تو اس کی غیر جانبداری اور شفافیت کا ہوگا، ترجمے یا بالفاظِ دیگر مترجم کی شفافیت کی خواہش تو کی جا سکتی ہے مگر عملاً یہ ممکن نہیں اور خاص طور پر اگر مترجم کسی غیر ملکی زبان اور ثقافت سے تعلق رکھتا ہو تو نہ صرف ترجمے کے لیے اس کا انتخاب متن، اس کا انداز اور یہاں تک کہ نیت بھی ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ عموماً انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے مترجم نفسیاتی رعب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ تہذیبی و تاریخی ہے۔ اس میں مترجم کا ذاتی قصور اتنا نہیں ہوتا کیونکہ مترجم بھی اسی تہذیبی لاشعور کا مالک ہے جو برصغیر پاک و ہند پر نوآبادیاتی عزائم کے نتیجے میں یہاں کے ہر باشندے کا نصیب ہے۔

سوانح یا خاکوں کے ترجمے میں اسلوبیاتی سطح پر مسائل ادیگر اصناف کے ترجمے سے قدرے کم ہوتے ہیں۔ یعنی اس میں تاریخ کی سی قطعیت اور افسانے کی سی رنگینی کی بدولت ایک مروجہ اسلوب اور زبان پائی جاتی ہے جس کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجم کو اردو کے مروجہ طرزِ بیان اور اسلوب کو اپنانا پڑتا ہے۔ انگریزی زبان سے مرعوبیت نے اردو جملے کی نحوی ساخت تک کو تبدیل کر دیا ہے۔ اور قاری کو ترجمہ پڑھتے ہوئے صاف پتہ چلتا ہے کہ جملہ انگریزی جملے کا ترجمہ ہے۔

> انگریزی کے محاوروں یا طرز بیان کا اردو میں اندھا دھند استعمال بھی ذوقِ سلیم کو بہت کھلتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ ''میں اس بات میں یقین نہیں رکھتا، بجائے ...... پر یقین نہیں رکھتا۔'' ''ایسے لوگوں کو جو اس قدر جھگڑالو ہیں، کو یہ حق نہیں پہنچتا'' بجائے ''ایسے لوگوں کو جو اس قدر جھگڑالو ہیں، یہ حق ...... یا ایسے لوگ جو اس قدر جھگڑالو ہیں ان کو یہ حق نہیں ......اسی طرح یہ کہنا کہ وہاں دس بکرے اور ایک بکری تھے'' صحیح نہیں ہے اس کے بجائے ہمیں کہنا چاہیے کہ وہاں دس بکرے اور ایک بکری تھی۔'' ایسے ہی یوں کہنا خلاف محاورہ اردو ہے کہ ''بہت سے مرد اور عورتیں جاتے تھے...... یہ طرزِ کلام انگریزی زبان کا بے جا تتبع ہے۔۳

انگریزی زبان کے اس بے جا تتبع کی معاشرتی، ثقافتی، لسانی اور نفسیاتی وجوہات ہیں۔ اردو زبان میں اصناف نظم و نثر کی ایک خاصی تعداد انگریزی ہی سے آئی ہے اور یہ ترجموں کی دین ہے۔ لسانی سطح پر اردو چونکہ دیگر زبانوں کے اثرات قبول و جذب کرنے والی زبان ہے اور انگریزی زبان و ادب سے بہت حد تک مستفید ہو چکی ہے۔ نیز انگریزی برصغیر پاک و ہند میں تہذیب، علم اور شائستگی کی زبان سمجھی جاتی ہے لہٰذا اس کے اثرات معنوی و فکری سطح پر ہی نہیں بلکہ لفظیاتی اور نحوی سطح پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

طرزِ بیان کا یہ مسئلہ محض سوانح اور خاکے کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے والے ہر مترجم کو درپیش ہے۔ سوانح کے مترجم کے خصوصاً اس مسئلے کا ذکر اس لیے ہے کہ ترجمے کے لیے متن کے انتخاب میں وہ دوہرے نفسیاتی دباؤ کا شکار رہا ہوتا ہے۔ یعنی ایک تو انگریزی زبان کا رعب اور دوسرا اس شخصیت کا رعب یا پسندیدگی کی بنیاد پر مرعوبیت کا دباؤ، مترجم کو ذہنی طور پر اردو کی کم مائیگی کا قائل کر دیتا ہے اور کہیں نہ کہیں اس کی جھلک ترجمے میں بھی نظر آتی ہے۔

پیشہ ور مترجمین خصوصی طور پر اس مسئلے کا شکار نظر آتے ہیں۔ پبلشنگ انڈسٹری کی ترجمے کے میدان میں اجارہ داری اور پیشہ ور مترجمین کی سہل پسندی ترجمے کے ہر طریقے میں مروج ہو چکی ہے۔ سوانح اور خاکوں کے ترجمے میں خصوصاً یہ لاپروائی برتی جاتی ہے۔ انگریزی سے اردو میں ترجمے کے ضمن میں مترجمین کس قدر غفلت اور لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مگر سٹیفن ہاکنگ کی سوانح عمری کے ترجمے کا ذکر بطور نمونہ درج ذیل ہے۔

سٹیفن ہاکنگ کی سوانح مائیکل وائٹ اور جان گربین نے تحریر کی ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ شاکر عثمانی نے کیا اور سٹی بک پوائنٹ نے اسے شائع کیا ہے۔ سٹیفن ہاکنگ کی سوانح واقعی پڑھنے کے لائق کتاب ہے مگر اس کے اردو ترجمے کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے؟ کتاب ١٦ مختلف ابواب کی شکل میں ہے جن میں با قاعدہ سرخیوں کے تحت ہاکنگ کی زندگی کا بتدریج احاطہ کیا گیا ہے مترجم نے اس ترتیب کو برقرار رکھا ہے البتہ کتاب کا نام Stephen Hawking, a Life in Science سے تبدیل کر کے ''سٹیفن ہاکنگ زندگی و خیالات'' رکھ دیا ہے۔ ترجمے کی حکمتِ عملی وہی ہے جو عموماً انگریزی ناول اور سوانح کا مترجم اپناتا ہے یعنی پہلی سطر پڑھنے کے ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے چلے جانا اور لفظی ترجمے کرتے ہوئے جہاں ممکن ہو تلخیص کرنا یا پیراگراف حذف کر دینا، تاکہ قاری کی تفہیم میں رکاوٹ نہ آئے۔ حالانکہ اسی کوشش میں مترجم نے ابہام کی کئی مثالیں پیش کر دی ہیں نیز بعض جگہ صورتِ حال انتہائی مضحکہ خیز ہو گئی ہے۔ لفظی غلطیوں اور متبادلات کی عدم فراہمی کی ایک مثال تو کتاب کے ابتدائی پیراگراف ہی سے دی جا سکتی ہے۔

When Stephen Hawking was involved in a minor road accident in Cambridge City Centre early in 1919, within twelve hours American TV networks were on the phone to his publisher, Banam, for a low-down on the story. The fact that he suffered only minor injuries and was back at his desk within days was irrelevant. But then anything about stephen Hawking is newsworthy. This would never have happened to any other scientist in the world. Apart from the fact that physicists are seen as somehow different from other human beings, existing outside the normal patterns of human life, there is no other scientist alive as famous as Stephen Hawking. But Stephen Hawking is no ordinary scientist. His book A Brief History of Time has notched up worldwide sales in the millions - publishing statistics usually associated with the likes of Jaffrey Archer and Stephen King. What is even more astonishing is that Hawking's book deals with a subject so far

prospect of tackling such a text would send the average person into a paroxysm of in adeqacy. Yet, as the world knows, Professor Hawking's book is a massive hit and has made his name around the world. Somehow, he has managed to circumvent prejudices and communication his esoteric theories directly to the leus reader[۴]

اس پیراگراف کا ترجمہ درج ذیل ہے:

۱۹۹۱ء میں اسٹیفن ہاکنگ (سائنس دان) کو جب سڑک کا ایک معمولی حادثہ پیش آیا تو اس بات کی اطلاع ۱۲ گھنٹوں کے اندر امریکی ٹی وی نے ساری دنیا میں پھیلا دی یہ حادثہ کیمبرج سٹی سنٹر میں پیش آیا تھا۔ بڑی تعداد میں لوگوں نے اس سائنس دان کے بارے میں فون پر بڑی فکرمندی کا اظہار کیا اور اس کے بارے میں دریافت احوال کیا۔ زیادہ تر فون ایک پبلشر بنٹام کو کیے گئے۔ اس حادثے میں اسٹیفن ہاکنگ معمولی سا زخمی ہوا تھا اور چند ہی روز بعد پھر معمول کی زندگی میں واپس آ گیا تھا مگر اس دوران میں اس کے لیے کوئی قابلِ قدر بات ضرور ہوئی تھی اور وہ ایسی بات تھی جو دنیا میں آج تک کسی دوسرے انسان کے سامنے نہیں آئی تھی۔ نفسیات دانوں کے لیے یہ بات ماورائے انسانیت محسوس ہوئی تھی اور اس بات کا طور طریقہ عام انسانی زندگی سے متضاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے اس معیار و مقام پر دوسرا کوئی سائنس دان نظر نہیں آتا۔ جہاں اسٹیفن کھڑا ہے۔ چونکہ اسٹیفن ہاکنگ کوئی معمولی سائنس دان نہیں ہے اس کی ایک کتاب (Brief Hisotry of Time) ”وقت کی مختصر کہانی“ شائع ہو چکی ہے جس کو لاکھوں قارئین نے سراہا ہے۔ اگرچہ یہ وقت گزاری والی کوئی ایسی کتاب نہیں جو عام طور پر لوگ رات کو سوتے وقت پڑھ لیا کرتے ہیں۔ چونکہ دنیا اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ پروفیسر ہاکنگ کی کتاب نے اقوام کو بڑے پیمانے پر متاثر کیا ہے اور اب ساری دنیا میں ان کا نام جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس کتاب نے قارئین کو گھر بیٹھے بہت اہم سائنسی مواد پیش کیا ہے۔[۵]

پہلے ہی جملے سے غلط فہمی یا متن کی غلط تفہیم اور اس کو اپنے انداز میں لکھنے کا سلسلہ جو شروع ہوا ہے تو محولہ پیراگراف کے آخری جملے تک دراز ہوتا چلا گیا ہے۔ ”بڑی تعداد میں لوگوں نے اس سائنس دان کے بارے میں فون پر بڑی فکرمندی کا اظہار کیا اور اس کے بارے میں دریافت احوال کیا۔“ اس طویل جملے کا اصل متن میں ذکر بھی نہیں ہے۔ بلکہ بنتام نامی پبلشر کو کی جانے والی فون کالز کا ذکر جو امریکی ٹی وی نے خبر کے لیے کی تھیں "Newsworthy" کا ترجمہ ”قابل قدر“ کیا گیا ہے۔ "A part from the fact that physicists are seen as somehow different from other human beings, existing outside the normal patterns of human life, there is no other scientist alive as famous as Stephen Hawking" کا ترجمہ یوں بنتا ہے کہ ”اس بات سے قطع نظر کہ ماہرین طبیعیات کو دیگر انسانوں سے کچھ الگ اور انسانی زندگی کے عمومی سانچے (ڈھانچے) سے کافی الگ سمجھا جاتا ہے، زندہ سائنس دانوں میں کوئی بھی سٹیفن ہاکنگ جتنا مشہور نہیں ہے۔“ مگر شاکر عثمانی نے اس جملے کے ترجمے کو گورکھ دھندہ بنا دیا ہے۔ ”ماہرینِ طبیعیات کی جگہ ”نفسیات دانوں“ لکھنا دراصل اس بے پروائی اور مترجم کی اہمیت سے بے خبری کا غماز ہے۔ اگلے پیراگراف کا پہلا لفظ "But' ہے اور مترجم نے اسے ”چونکہ“ ترجمہ کیا ہے۔ پورے جملے اور اس کے سیاق و سباق میں چونکہ بلاجواز ہے مگر مترجم کی سستی اور کاہلی نے اسے پہلے پیراگراف ہی میں اتنی معمولی غلطیوں سے بھی نہیں بچنے

دیا۔ یہ پورا پیراگراف بھی ملخص ہے جس کو مترجم نے بات سمجھانے کے لیے آسان ترین انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔
سوانح کا ایک لازمی حصہ خاکہ بھی ہے جس میں مصنف اپنے موضوع کا حلیہ اور شکل وصورت کے ساتھ ساتھ ہیئت کذائی بھی بیان کرنے کی کوشش کچھ یوں کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں ایک شکل ابھر آئے۔ پہلے باب میں مصنفین نے اسٹیفن ہاکنگ کا حلیہ کچھ یوں تحریر کیا ہے۔

> To one side is a man in a wheel chair. He is older than the others. he looks terribly frail, almost withered away to nothing, slumped motionless and seemingly life less against the black cloth cushion of his wheel chair. His hands, thin and pale, the fingers slender, lie in his lap. Set into the contre of his sinewy throat, just below the collar of his open - necked shirt, is a plastic breathing device about two inches in diametre. But dispite his disabilities, his face is alive and boyish, neatly brushed brown hair falling across his brow, only the lines beneath his eyes belying the fact that he is contemporary of Keith Richards and Donald Trump. His head lolls forward, but from behind steel rimmed spectacles his clear blue eyes are alert, raised slightly to survey the other faces around him. Beside him sits a nurse, her chair angled towards his as she positions a spoon to his lips and feeds him. Ocassianally she wipes his mouth.[۶]

> ترجمہ: ایک طرف ایک شخص وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا وہاں نظر آ رہا تھا۔ وہ عمر میں دوسروں سے بڑا معلوم ہوتا تھا، وہ بے حد نحیف ونزار لگ رہا تھا اور وہ تقریباً کچھ نہ ہونے کے مترادف تھا۔ وہ اپنی چیئر کے سیاہ کشن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، خالی، بے کیف اور مردہ سی نظروں سے لوگوں کو دیکھ رہا تھا اور بے حسن وحرکت نظر آ رہا تھا، اس کے ہاتھ نحیف ونزار مگر پتلے تھے اور زردی کھنڈی ہوئی تھی، کرسی کے درمیان میں اپنی ٹائی، اپنا کالر اور کھلے گلے والی شرٹ کو درست کرتا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ دو انچ قطر والی پلاسٹک کی نلکی بھی نظر آ رہی تھی جو سانس لینے میں مددگار ہوتی ہے۔ ان جسمانی خامیوں کے باوجود اس کا چہرہ تروتازہ اور بچکانہ (معصوم) سا لگ رہا تھا، جیسے لڑکوں کا چہرہ ہوتا ہے۔ اس کے نتھنوں کے قریب سر کے بال تھے جنھیں صاف ستھرا کر کے سنوارا گیا تھا، اس کی آنکھوں میں خاص چمک معلوم ہو رہی تھی جو گہری نیلی تھیں، قریب میں ہی ایک نرس موجود تھی، نرس اس کی کرسی کے قریب لگ کر اس طرح کھڑی تھی جیسے کسی بچے کو چمچے کی مدد سے غذا دینے آئی ہو۔ موقع کی مناسبت سے نرس بالکل خاموش تھی۔[۷]

یہ پیراگراف، جو سوانح کا ایک اہم حصہ اور خاکہ ہے، بھی کمزور اور خراب ترجمے کی ایک عمدہ مثال بن کر سامنے آتا ہے یعنی معنوی سطح پر خامیوں سے بھرپور تو یہ ہے ہی مگر chair اور cushion جیسے عمومی اسماء کے اردو مترادفات تک دینے کی زحمت مترجم نے گوارا نہیں کی حالانکہ یہ اتنا مشقت کا کام نہیں تھا۔
متن میں سٹیفن کے ہاتھوں کے بے حس وحرکت گود میں دھرے ہونے پر زور ہے جبکہ مترجم نے ” کھلے گلے والی شرٹ کو

درست کرتا جاتا تھا'' لکھ کر اس کے ہاتھوں کی مسلسل حرکت کو بیان کیا ہے جو حقائق کے بالکل الٹ ہے کیونکہ سٹیفن کے ساتھ بیٹھی نرس انگریزی متن میں "Ocassionally she wipes his mouth" جبکہ اردو ترجمے میں یہی نرس ''موقع کی مناسبت سے بالکل خاموش تھی'' دو انچ قطر کی نلکی انگریزی میں a plastic breathing device ہے جس کا اردو میں ترجمہ ''سانس لینے میں مددگار ایک دو انچ قطر کا پلاسٹک کا آلہ'' کیا جا سکتا تھا۔ انگریزی متن میں سائنس دان کے بال "brow" تک آتے ہیں جبکہ مترجم نے ان کو ''نتھنوں کے قریب سر کے بال'' لکھتا ہے تو حلیہ کتنا مضحکہ خیز ہو جاتا ہے۔ یہ بات نہ مترجم کو سمجھ آئی اور نہ ہی اس کے پبلشر کو۔ alive and boyish کا ترجمہ ''تر و تازہ اور بچکانہ (معصوم) سا لگ رہا تھا جیسے لڑکوں کا چہرہ ہوتا ہے۔ کرنا کہاں کا انصاف اور متن کا ابلاغ ہے؟ مترجم انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو زبان سے بھی سطحی آشنا محسوس ہوتا ہے کیونکہ بچگانہ کا مطلب معصوم نہیں بلکہ احمق ہوتا ہے۔ اس معصوم اور بچگانہ چہرے کی ایک اہم تفصیل ''اس کی آنکھوں کے نیچے کی لائنیں ہیں جو اسے کینھ و چررڈز اور ڈونلڈ ٹرمپ کا ہم عصر ہونے کی حقیقت کو جھٹلا رہی تھیں۔'' کو اردو مترجم نے قابل توجہ ہی نہیں گردانا اس کا سر آگے کو جھکا ہوا ہے لیکن سٹیل کی کمانی والی عینک کے شیشوں کے عقب میں اس کی شفاف نیلی آنکھیں محتاط ہیں اور ادر گرد کے دوسرے چہروں کا جائزہ لینے کو اٹھی ہوئی ہیں۔'' بھی مصنف کی عدم توجہی کا شکار جملہ ہے جبکہ "Beside him sits a nurse" نرس اس کی کرسی کے قریب لگ کر اس طرح کھڑی تھی بن گیا ہے۔ ترجمے کی یہ حالت ایک سادہ بیانیے کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے ہوگئی ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ ''بلیک ہولز سے بگ بینگ تک''، ''وقت کی مختصر تاریخ'' جیسے ابواب کے ترجمے میں مترجم ان سائنسی حقائق اور نظریات کو کیسے سمجھ پائے گا اور کیسے منتقل کر سکا ہو گا؟ جبکہ مترجم نے متن کے الفاظ کی صرف لفظی منتقلی کی ہے اور اس لفظی ترجمے میں بھی صورتِ حال نہایت مضحکہ خیز ہوتی چلی گئی ہے۔ یوں تو پوری کی پوری کتاب ایک ایک سطر میں اس انداز ترجمہ کی گواہ ہے مگر چند ایک مثالوں کو دیکھنا تمام ترجمے کی اہمیت اور نوعیت پر روشنی ڈالے گا۔

متن کے صفحہ ۱۶۴ پر I was myself single - handedly making everything کا ترجمہ صفحہ ۱۱۶ پر ''میں نے خود کو یک دستی بنایا ہے۔''

متن کے صفحہ ۱۶۵ پر "To be fair to Stephen Hawking, according to his friends and colleagues." کا ترجمہ صفحہ ۱۱۷ پر ''سٹیفن اس کے ساتھ بہت صاف ستھرا اور اس کے دوستوں کی طرح رہتا تھا۔''

صفحہ ۱۶۵ پر ہی "helping to raise children" کا ترجمہ صفحہ ۱۱۷ پر ''بچوں کی افزائش میں اس کی مدد'' کیا گیا ہے۔ حالانکہ افزائش کا تعلق جنسی یا تولیدی عمل سے ہے جبکہ ''پرورش'' بہتر لفظ تھا جو بات کا ابلاغ کر سکتا تھا۔

متن کے صفحہ ۲۶۴ پر "however there were other exertions along the way" کا ترجمہ صفحہ ۱۶۲ پر ''حالانکہ وہاں راستوں میں اور بھی بہت کچھ تھا'' کیا گیا ہے۔ اس تھوڑے کو بہت جانتے ہوئے اس سوانح کے آخری پیراگراف کا متن اور ترجمہ ملاحظہ ہو:

> Beyond all this, running deeper than his hugely successful venture into literature, beyond even his scientific achievenments, there remains the human triumph of his very survival, the strength of his spirit in accomplishing more than most of us dream about. Some claim that Stephen Hawking has made it only because of the unfortunate circumstances he found himslef in, but such glibness

benies the very essence of humanity. Others crumble under for less strain. It is the Stephen Hawking of this world who soar, no matter what. To those intent on destroying degened and denigrating achievenment, he has a typically modest but perfectly accurate response. It would stand equally well as his own epitaph and as a philosophy of life for all of us to follow:

One has to be grown up enough to realize that life is not fair. You just have to do the best you can in the situation you are in.۸

ترجمہ: اس سب کچھ کے ساتھ اس نے بڑی تیز رفتاری اور پیمانے پر اپنے گہرے ادبی شعور اور لٹریچر میں بھی نمایاں کامیابی پائی ہے اس سائنسی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ اس کے حصہ میں ایسی انسانیت نواز کامرانیاں بھی آئیں ہیں جو اسے بے حد نمایاں کرتی ہے ہم لوگوں کے خوابوں سے بھی زیادہ اس کے جذبے میں جوش تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سٹیفن ہاکنگ نے یہ سب کچھ محض اس وجہ سے کیا تھا کہ اپنی بیماری اور معذوری سے وجہ سے اس کام میں مستقبل خطرے میں تھا اور اس کے آس پاس بدقسمتی کا ماحول تھا لیکن ایسا تابناک اور بے حد شاندار جوہر حیات انسانیت کے لیے خود بھی ایک اعزاز ہے۔ دوسرے لوگ تو مشکل سے اس کی گرد کو پاسکتے ہیں۔ یہ اسٹیفن ہاکنگ ہی تھا جو ایک دنیا تھا یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ وہ کیسا تھا۔ وہ لوگوں کے لیے ایک عجیب وغریب ماڈل تھا مگر اس کا اندازہ بے حد مکمل قسم کا تھا اور بالکل درست ہوتا تھا وہ آج بھی ہمارے ساتھ موجود ہے اور اپنے پیروں پر کھڑا ہے جیسے کہ ہم لوگ مگر اس کے ساتھ زندگی کا فلسفہ ہے اور وہ سب کچھ جس پر ہم لوگ چل رہے ہیں۔ وہ لوگ جو کافی بڑے ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ زندگی اچھی چیز نہیں مگر جو کچھ تمہارے اختیار میں ہے اس کو بہتر سے بہتر کر کے دکھاؤ۔'' یہی سٹیفن کا پیغام ہے۔۹

آخری پیراگراف پہلے جملے سے لے کر آخری جملے تک مترجم نے اپنی عدم تفہیم اور عدم ابلاغ کی پالیسی پوری طرح نبھائی ہے۔ انگریزی جملے کی ساخت کا اتنا ناقص اور ادھورا علم، اردو جملوں کی بناوٹ سے ناواقفیت اور ترجمے کے عمل کے ساتھ ساتھ مترجم کی ذمہ داریوں سے غفلت کی یہ وہ مثال ہے جو پیشہ ور مترجمین کی اس کھیپ کی نمائندہ ہے جو پیسہ کمانے کی دھن میں دھڑا دھڑ کتابیں ترجمہ کیے جا رہے ہیں۔ پبلشنگ انڈسٹری کے مفادات اپنی جگہ پر سہی مگر مترجم کی خود ذاتی طور پر اپنے کام سے ایمانداری اور وفاداری نبھانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی جا رہی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ایسے ترجموں کی نہ صرف اخبارات میں تشہیر کی جاتی ہے بلکہ انھیں پڑھنے کے لیے قارئین کو راغب بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس سوانح کے فلیپ پر روزنامہ جنگ میگزین ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء اور روزنامہ نوائے وقت میگزین ۲۷ مئی ۲۰۰۶ء کا ایک ایک اقتباس درج ہے۔ روزنامہ نوائے وقت میگزین نے تو قاعدہ ترجمے اور مترجم کا حوالہ بھی دیا ہے۔

اسٹیفن ہاکنگ کا نام طبیعیات میں آئن سٹائن کے بعد سب سے نمایاں ہے۔ بک بینگ سے لے کر بلیک ہول تک ان کے سائنسی نظریات بے حد اہم ہیں۔ یہ وجہ ہے انھیں دوسرا آئن سٹائن کہا جاتا ہے۔ اسٹیفن ہاکنگ ایک معذور انسان تھے مگر انھوں نے اپنی معذوری کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا، بلکہ اپنے کارناموں سے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ ان کی کتاب ''وقت کا سفر'' دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہے۔ زیر نظر کتاب ان کی سوانح عمری ہے، جسے مائیکل وائٹ اور جان گریبن نے بڑی محنت اور لگن سے ترتیب دیا ہے۔ اردو قارئین کے لیے اس سوانح عمری کا ترجمہ شاکر عثمانی نے کیا ہے۔

کتاب واقعتاً پڑھنے کے لائق ہے۔[10]

انگریزی متن یقیناً اور واقعتاً پڑھنے کے لائق ہے لیکن قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ میگزین میں یہ رائے ترجمے کے متعلق دی گئی ہے جو کچھ بھی ہو مگر پڑھنے کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ سٹیفن ہاکنگ ایک نابغہ روزگار ہے اس کی ذات اور نظریات کی اہمیت کے سبب اس کی زندگی کی داستان بھی پڑھنے کے لائق ہے۔ چونکہ اردو دنیا ''وقت کی مختصر تاریخ'' کی بدولت ہاکنگ سے آشنا ہے لہٰذا اس کی سوانح بھی قارئین کے لیے بڑی دلچسپی کا باعث بنی ہے مگر افسوسناک امر یہ ہے کہ کسی قومی ادارے کو یہ توفیق نہیں ہوسکی کہ ترجمہ کسی ماہر مترجم سے کروائے اور شائع کرے، یا مارکیٹ میں ہاتھوں ہاتھ لی جانے والی اس ترجمہ شدہ سوانح کا ازسرِ نو جائزہ لے کر ہی اسے تصحیح کے بعد دوبارہ شائع کردیا جائے۔ دریں حالات ترجمے کی فراوانی اور رواج کے باعث لوگوں تک غلط حقائق اور توڑ مروڑ کر پیش کیے گئے متون کی کثرت ہوگئی ہے اور اردو کے ٹھیکے دار ادارے خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ پبلشنگ انڈسٹری اور ترجمے کے پیش نظر مقاصد پر ان کی اجارہ داری بہرحال اہم سہی لیکن ان کے خلاف نبرد آزمائی یا احتجاج کی ہلکی سی آواز بھی کسی قومی ادارے سے بلند ہوتی سنائی نہیں دیتی۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قاری انڈسٹری اور پیشہ ور مترجمین کے چنگل میں پھڑ پھڑا تا رہ جاتا ہے۔

سوانح اور خاکہ کے ترجمے میں چونکہ خصوصاً کوئی اہداف یا مقاصد سامنے رکھے جاتے ہیں اور عموماً یہ اہداف قارئین میں کسی خاص تبدیلی یا کسی لائحہ عمل کو مروج و پسندیدہ کرنے کے ہوتے ہیں لہٰذا مترجم کا وہ مقصد جو ترجمے کا محرک بنتا ہے، بھی ان اصناف کے ترجمے میں فعال کردار ادا کرتا ہے۔ یہ اہداف تین طرح کے ہوسکتے ہیں۔ یعنی معلوماتی، ترغیباتی اور تحکمانہ۔

مترجم کا بنیادی مقصد مواد اور ہیئت دونوں کی معلومات ہوسکتا ہے۔ ترجمے کی اس معلوماتی قسم کے لیے ایک متوقع ردعمل زیادہ تر ادراک کا حامل ہوسکتا ہے...... دوسری جانب بہت زیادہ معلوماتی ترجمے کو قاری یا سامع میں انبساطی ردعمل پیدا کرنے کے لیے ڈیزائن کیا جاسکتا ہے۔[11]

یعنی معلوماتی مقاصد کے تحت ترجمہ کرتے ہوئے مترجم کے سامنے قارئین تک محض اس کتاب کی معلومات پہنچانا ہے اور اس مقصد کے لیے وہ ترجمہ کرتے ہوئے محض معلوماتی مقصد کو سامنے رکھے گا۔ اس کی کوشش یہ ہوگی کہ قاری تک یا تو معلومات مکمل طور پر پہنچ جائیں چاہے ان میں ادبی چاشنی رہے یا نہ رہے۔ اور یا پھر وہ ہیئت کی معلومات یا خوبیاں تو ترجمے میں مکمل طور پر یا زیادہ سے زیادہ منتقل کردے اور چاہے مواد مکمل طور پر دوسری زبان میں منتقل ہو پائے یا نہیں۔

پاؤلو کوہلو جنوبی امریکہ کے ملک برازیل کا مشہور مصنف ہے۔ فرنانڈو مورائس نے انتہائی جانفشانی سے اس کے سوانح حیات کو مرتب کیا۔ پاؤلو کی شخصیت ہمہ پہلو تھی جس کو جاننا اور سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اس کی شخصیت کے مرکب اجزاء میں والدین کی بے جا سختیوں، بدہیئتی کی بناء پر تعلیمی ساتھیوں میں نامقبولیت اور سوچ کے کجروانہ انداز نے اسے جنسی بے راہروی اور ذہنی خلل کا شکار بنا دیا۔ نفسیاتی علاج و معالجے سے گزرنا پڑا۔ برقی جھٹکے لگے۔ موسیقی کار دوست کے ساتھ مل کر نغمہ لکھنے میں نام اور پیسے کمائے اور حکومتی جبر و ظلم بھی سہا۔ المختصر نامساعد حالات سے لگاتار نبرد آزمائی کے باوجود وہ اپنے دیرینہ خواب سے غافل نہیں رہا۔ خواب کیا تھا؟ ایک مشہور اور معروف مصنف بننے کا خواب۔[12]

شامل تھے۔ ایسی شخصیت کے سوانح یقیناً دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب بھی ہیں۔ اردو دنیا پاؤلو کو الکیمسٹ، الظاہر اور ویرونیکا کے ذریعے جانتی ہے۔ ایسی شخصیت جس کو ایک دنیا جانتی ہو اور جس کے مداحوں کی تعداد کروڑوں میں ہے، کے متعلق لکھنے کے لیے سوانح کے مصنف کو جو پاپڑ بیلنے پڑے ان کا ذکر اس نے دیباچے میں چند معروضات کی صورت میں کیا ہے۔

اس کتاب کا آغاز ۲۰۰۵ء کے اوائل سے ہوا جب میری پہلی ملاقات پاؤلو کوہلو سے جنوبی فرانس کے شہر لیون (Lyon) کے ہوائی اڈے پر ہوئی تھی۔ اخبار نویس کی حیثیت سے مجھے دنیا کے بہت سے مشاہیر کے ساتھ

اٹھنے بیٹھنے اور سفر کرنے کے مواقع حاصل رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی محافظوں، سیکرٹریوں اور معاونوں میں گھرا ہوگا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ شخص جس کے ساتھ مجھے تین آنے والے برس گزارنے تھے، اکیلا آیا تھا اور اس کے پاس سوائے ایک تھیلے کے جو اس کے کندھے سے لٹکا ہوا تھا اور لینے والے ایک سوٹ کیس کے جسے وہ خود کھینچ رہا تھا اور دوسرے لوازمات نہیں تھے۔ یہیں سے دریافت کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کے ذریعے دنیا میں ایک انتہائی غیر معمولی شخصیت کے حالاتِ زندگی منکشف ہونا شروع ہوئے۔

چھ ہفتے ساتھ رہنے کے بعد میں برازیل واپس آیا۔ اس لیے کہ مصنف کی پوری زندگی کا محور ریو ہی رہا ہے۔ میں نے وہاں آٹھ ماہ قیام کیا اور مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ میں نے وہاں ہر جگہ پاؤلو کوہلو کا کھوج لگایا اور ان تمام واقعات و واردات کی چھان بین کی جن سے اس کی زندگی میں دکھ کے داغ لگے۔ میں نے اسے کو پاکابانا کی اندھیری گلیوں اور ناہموار سڑکوں پر ڈھونڈا۔ اسے نفسیاتی کلینک کے کھنڈر اور پاگلوں کے ریکارڈ میں تلاش کیا۔ منشیات کی خطرناک دنیا میں برازیل کے سیاسی جبر و استبداد کے فائل میں شیطان ازم کے عقیدے میں، مختلف خفیہ تنظیموں میں راؤل کے ساتھ شراکت میں، کنبے اور نسل کی تاریخ میں جھانکا۔ میں نے اس کے دوست احباب سے باتیں کیں۔ محبوباؤں کا انٹرویو لیا اور اس کی آخری اور دیرینہ شریک حیات کرسٹینا کے ساتھ بھی کچھ وقت گزارا۔ میں نے اس کی زندگی کو کھنگال کر رکھ دیا۔ نجی معاملات کا گہرا مطالعہ کیا، وصیت ناموں کو پڑھا، دواؤں کے نسخے دیکھے اور بینک کے کاغذات جانچے۔

اس کے ساتھ ایک شرط بھی جیتنے میں کامیاب ہو جس کی بدولت مجھے وہ خزانہ ہاتھ لگا جس کے متعلق اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس کی موت کے بعد اسے نذرِ آتش کر دیا جائے گا۔ یہ خزانہ دراصل وہ ٹرنک تھا جس میں اس کے چالیس برسوں کی ڈائریاں اور کیسٹ ٹیپ محفوظ تھے۔ میں نے ہفتوں پاؤلو کوہلو انسٹی ٹیوٹ میں گزارے جہاں میں نے دستاویزات، تصویروں، پرانی ڈائریوں اور ان خطوں کا جائزہ لیا جو ارسال کیے گئے اور موصول ہوئے تھے۔ ریو میں قیام کے بعد میں نے اپنے کندھے پر ریکارڈر رکھے اس کے ساتھ سفر اختیار کیا۔ ناک سے آواز نکلنے والے الفاظ میں اس کی تقریر اور تبصرے سنے اور آنکھوں سے خیالی مکھی بھگاتے دیکھا۔ اسپین، قاہرہ، پیرس اور ہنبرگ میں شاندار استقبال کا نظارہ کیا۔ اپنی ساٹھ برس کی زندگی میں پاؤلو کوہلو جن حالات و ادوار سے گزرتا تھا ان کے ایک ایک ٹکڑے کو میں نے اس طرح جوڑا ہے کہ نتیجے میں یہ کتاب وجود میں آئی ہے۔ اس میں جو کچھ بھی تحریر ہے اس کی پوری ذمہ داری میری ہے لیکن درجنوں ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اس سلسلہ میں میری مدد کی۔۱۳

گویا یہ سوانح "A Warrior's Life" سوانح نگار کی محنت اور لگن کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ جس طرح موضوع کی شخصیت پیچیدہ اور ہمہ پہلو تھی اسی طرح سوانح نگار نے شدید محنت کر کے حقائق اور پاؤلو کی اصل شخصیت نیز اس کی تشکیل میں حصہ لینے والے محرکات کو بھی پوری جانفشانی اور عرق ریزی سے نہ صرف جمع کیا بلکہ انھیں مرتب بھی کیا تا کہ پاؤلو کوہلو قارئین کے سامنے آسکے۔ لیکن اسی سوانح کے مترجم کا رویہ دیکھا جائے تو وہ موضوعِ سوانح کی شخصیت سے زیادہ اپنے اخلاقی وثقافتی ماحول کے فرق کا زیادہ اسیر نظر آتا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

فرنانڈو نے یہ سوانح کئی برسوں کی محنت اور جانفشانی سے انگریزی زبان میں تصنیف کی ہے۔ جس کا الگ ذکر معروضات میں موجود ہے۔ مزید برآں اس نے ایک سو سے زیادہ لوگوں کا انٹرویو کیا اور اتنی ساری تفصیلات لکھی ہیں کہ ان میں سے بعض کے ذکر کو اپنے ماحول کے تقاضوں اور غیر ضروری تفصیلات کی بنا پر چھوڑنا پڑا۔

> ثقافتی اور ماحولیاتی تفاوت کے پیش نظر ترجمہ کرتے وقت لفظی سے زیادہ معنوی پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اوریجنل تحریر کی روح جہاں تک ہو سکے برقرار رکھی جائے۔ کامیابی یا ناکامی کا انحصار بہرحال قارئین کرام کے تاثرات پر ہے۔

ترجمے میں اشخاص اور مقامات کے نام انگریزی صوتی اعتبار سے لکھے گئے ہیں۔ اور بھاری بھرکم نامانوس اور لمبے ناموں کا آسان سا ایک حصہ شامل کیا گیا ہے۔ تلفظ کی غلطی کا امکان عیاں طور پر موجود ہے۔ کتابوں کے نام کا ترجمہ کرنے سے زیادہ تر احتراز کیا گیا ہے۔ بڑے ناموں کا ایک دو لفظ لکھ کر آگے نکتے لگا دیے گئے ہیں۔ پورا نام کتابوں کی فہرست میں دیکھا جا سکتا ہے جو آخر میں شامل کر دی گئی ہے۔[۱۴]

نورالدین انور نے جہدِ مسلسل کے نام سے سوانح کا ترجمہ کیا اور ترجمے کی تکنیک یہ اپنائی کہ اپنی مرضی سے جو جیسا چاہا ترجمہ کر دیا اور محض اصل کی روح برقرار رکھنے پر اکتفا کیا گیا اگر دیکھا جائے تو اس سوانح اور بعض اسی طرز کی دیگر سوانح عمریوں کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا ہے جو اردو مترجم ناولوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ یعنی:

> افسانے کے ترجمہ میں انھیں زیادہ کسٹ نہیں کھینچنا پڑتا تھا، ناول کا ترجمہ وقت مانگتا ہے۔ ترجمہ کرنے والے کو پتہّ مار کر بیٹھنا پڑتا ہے اور لمبا وقت لگانا پڑتا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ان مترجموں نے ترجمہ کے لیے ناول کی طرف توجہ دی تھی تو ایسے ناول چنے جو زیادہ ضخیم نہ ہوں اور اگر کسی ضخیم ناول پر ہاتھ ڈال بیٹھے تو اس کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ اس کا خلاصہ کر ڈالا۔[۱۵]

محولہ بالا پیراگراف میں ناول کی جگہ سوانح عمری لگا لیں تو یہ تمام باتیں سوانح کے ترجمے میں عمومی مستعمل کارروائی یا حکمتِ عملی کی بہترین عکاس بن جاتی ہیں۔ پیشہ ور مترجمین کی اختیار کردہ تکنیک اور انداز میں ان کی ذاتی سوچ سے کہیں زیادہ ان اداروں کا عمل دخل ہوتا ہے جو عوام کو معلومات فراہم کرنے اور عالمی مشاہیر سے واقف کرانے کی دھن لیے میدان میں آتے ہیں۔ ان کا مقصد آسان زبان، عام فہم انداز اور مناسب قیمت میں ایسی معلومات بیچنا ہوتا ہے جو زیادہ سے زیادہ قارئین کو ان کی کتاب خریدنے پر آمادہ کر سکیں۔ لہٰذا طویل مباحث اور واقعات کے بجائے وہ چیدہ چیدہ واقعات کی آدھی ادھوری شکل اور اپنی مرضی کی وہ تصویر کتاب میں پیش کرتے ہیں جو عام آدمی کے معیار پر پوری اتر سکے۔ ظاہر ہے ایسے عالم میں کتاب تو بکے گی مگر ترجمے کے عمل میں اصل متن اور مصنف دونوں قربان ہو جائیں گے۔ ثقافتی تفاوت اور اقدار اختلاف کے ساتھ ساتھ قاری کی مذہبی اور اخلاقی صورتِ حال بھی ترجمے پر اثر انداز ہوتی ہے جس کے نتیجے میں پاؤلو کوہلو کی سوانح جیسے ترجمے سامنے آتے ہیں۔ تلخیص اور ترجمانی کے اس عمل میں بعض اوقات واقعات تیزی سے چلنے لگتے ہیں اور بعض واقعات کی کوئی توجیہہ کرنا ممکن نہیں رہتا۔

مثلاً ۱۸ویں باب میں پاؤلو کی ۲۹ویں سالگرہ اور شادی کا بیان ہے۔ سیزا کے ساتھ پاؤلو کی ہنگامی شادی جو ۲ جولائی ۱۹۷۶ء کو ہوئی کے تذکرے کے بعد ۲۴ اگست ۱۹۷۶ء کو پاؤلو کی طرف سے آدھی رات کو اپنی سالگرہ منانے کے لیے راکٹ اور پھلجھڑیاں چھوڑتے بتایا گیا ہے جس میں ہمسائے بھی تنگ ہوتے ہیں۔ اگلے ہی پیراگراف میں پاؤلو اور سیزا کے اختلافات شدید نوعیت کے دکھا دیے گئے ہیں:

> واقعتاً سیزا کے ساتھ زندگی گزارنا آسان تھا لیکن وہ پختہ کردار کی لڑکی تھی۔ اس کی مرضی کے خلاف اس سے کوئی کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔ وہ اس کے کاسٹانیڈا خیالات مان سکتی تھی اور اس کے ساتھ منشیات نوشی بھی کر سکتی تھی لیکن سیکس کے معاملہ میں بے راہ روی کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی۔ ایک دن پاؤلو دیر سے جاگا جب حسبِ معمول سیزا کام پر جا چکی تھی۔ ہاتھ سے لکھے ہوئے ایک نوٹ پر پاؤلو کی نظر پڑی۔ سیزا نے اختلاف کا اظہار

کیا تھا۔ان کے ازدواجی تعلقات ڈانواں ڈول ہو چکے تھے۔۱۶

ڈیڑھ صفحے کے اس بیانیے میں ابہام ہے، اور تشنگی محسوس ہوتی ہے۔آخروہ کون سے عوامل تھے جن کی بنیاد پر سیزا نے پاؤلو سے علیحدگی کا فیصلہ کیا۔ یہ پاؤلو کی جنسی بے راہروی تھی یا وہ سیزا کو بھی اسی بے راہروی کا شکار ہونے پر مجبور کر رہا تھا؟ یہ ایسے سوال ہیں جن کے کوئی جواب نہیں ملتے۔مترجم کے اخلاقی وثقافتی اصول اور اقدار اسے اگر حقائق کی ترجمانی اور متن کے ترجمے سے روک رہے تھے تب بھی قاری کو مناسب الفاظ میں اس کی خبر دینا ضروری تھی۔ترجمے کے بجائے اگر مترجم نے تلخیص پیش کرنی ہو تو کیا اس کو ترجمہ کہنا ضروری ہے؟ اس کو تعارف یا تلخیص یا کچھ اور نام بھی تو دیا جا سکتا تھا۔

مترجم کا دوسرا ہدف قارئین کو کسی خاص چیز کی ترغیب دلانا ہو سکتا ہے۔سوانح اور خاکہ عموماً اسی نظریے کے تحت ترجمہ کیے جاتے ہیں کہ نہ صرف کسی شخص کی زندگی اور کردار کی معلومات قارئین تک پہنچائی جائیں بلکہ وہ شخصیت اتنی پسندیدہ اور قابلِ تقلید سمجھی جاتی ہے کہ قارئین میں اس کی پیروی لائق تحسین اور پسندیدہ سمجھی جائے گی۔ چنانچہ ترجمے میں اور خصوصاً سوانح اور خاکہ نگاری کے ترجمے میں:

> کسی مترجم کے مقاصد میں محض معلومات فراہم کرنے سے زیادہ شامل ہو سکتا ہے۔مثلاً شاید وہ ترجمے کے ذریعے کسی مخصوص قسم کا رویہ تجویز کرنا چاہتا ہو۔اندریں حالات اس کا ہدف (متن کے) مکمل طور پر قابلِ فہم ہونے کی حالت میں لانے کا رجحان ہو سکتا ہے، اور وہ تفاصیل میں چند ایک معمولی تبدیلیاں کر سکتا ہے تا کہ قاری اس پیغام کی اپنے حالات کے مطابق پوری ایمائیت کو سمجھ سکے۔۱۷

تفاصیل میں چند ایک معمولی تبدیلیاں تشبیہ واستعارہ یا کنائے کی ہو سکتی ہیں۔مثلاً اگر کسی علاقے کے قارئین برف سے واقف ہی نہیں اور سفیدی کی وضاحت کرتے ہوئے white as snow کا ترجمہ برف کی مانند سفید، کرنے کے بجائے قارئین کے دائرہ واقفیت میں موجود کوئی سفید چیز مثلاً دودھ یا روئی کی طرح سفید کیا جا سکتا ہے۔یہ لفظی تبدیلی جو بظاہر متن کے ساتھ وفاداری نہیں ہے مگر اپنے ہدف کے حصول میں یعنی متن کو قاری کے لیے قابل فہم بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور بنیادی حقائق میں بھی تبدیلی نہیں آتی ہے۔

ترجمے میں تبدیلی کی تیسری صورت یہ ہے کہ مترجم کسی متن کے پیغام کو تحکمانہ یا ناگزیر انداز میں قارئین تک پہنچانا چاہتا ہو یعنی قارئین کے لیے ان افعال واعمال یا رویے کو اپنانا لازمی اور مثالی قرار پائے ایسی صورت میں وہ یقینی بناتا ہے کہ متن کا جو پیغام وہ قاری تک پہنچانا چاہتا ہے ہر حال میں ہر طرح کے ابہام کو چاہے وہ لفظی ہو یا واقعاتی، اس کو دور کر کے متن کو آسان اور قابلِ فہم بنا دے۔اس کی مثال اگن لارسن (Egon Larsen) کی کتاب Men who changed the world ہے جس کے پیش لفظ میں مصنف اگرچہ واضح انداز میں بتا دیتا ہے کہ:

> پیشِ نظر کتاب ترتیب دیتے وقت مصنف نے ان سوالات کا جواب معلوم کرنے کی انتہائی کوشش کی جو اسے مدت تک پریشان کرتے رہے، مثلاً موجد کے دل میں وہ معجز نما عمل کیونکر انجام پاتا ہے۔ جسے ذہنی روشنی کا ایک خاص تموج قرار دیا جاتا ہے۔اسے تحریک کہاں سے ملتی ہے؟ پھر دل میں عام حرکت کیوں پیدا ہوتی ہے؟ کیا موجد بننے کے لیے ایک خاص قسم کا دماغ ضروری ہے؟ یا محض دماغ کی روشنی کی ایک لہر پیدا ہو جانا آدمی کو دولت مند اور مشہور بنا دینے کے لیے کافی ہے؟
>
> موجدوں کے جو حالات کتاب میں پیش کیے جا رہے ہیں، ان سے بعض سوالات کا جواب مل جاتا ہے۔ ایڈیسن نے غیر معمولی دل ودماغ کے لیے تخلیقی تحریک اور عرق ریزی کا جو تناسب قائم کیا وہ کامیابی کی غالباً نہایت اہم مثال ہے۔اس کے مقابلے میں فرلس گرین دماغی روشنی کے مسلسل تموج کے باوجود ناکام رہا، وہ

ناکامی کی ایک حیرت انگیز مثال ہے۔۱۸

یعنی مقصدِ تحریر یہ ہے کہ ان ذہنی تحریکات اور عمل کا اندازہ لگایا جا سکے جو کسی کو موجد بنا دیتی ہیں لیکن چونکہ مترجم نے اس ترجمے کو محض خراج تحسین پیش کرنے کے لیے یا مذکورہ موجدین کی خدمات کا اعتراف کرنے کی نیت سے ترجمہ نہیں کیا بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ پسماندہ ممالک کے لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے سے تحریک ہو وہ دولت اور شہرت کے خواہاں ہیں تو ان موجدین سے سبق حاصل کریں۔ اگرچہ یہ ایک ان کہی حقیقت ہے جسے سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی کہ جو بھی ان خاکوں کو پڑھے گا اس کے ذہن میں تحریک ہوگی لیکن چونکہ مترجم اپنے اس مقصد کو ہر حال میں حاصل کرنا چاہتے ہیں لہٰذا وہ لکھتے ہیں:

> دورِ حاضر کے ممتاز موجدوں کی یہ سرگزشتیں ہمارے لیے مختلف وجوہ سے خاص توجہ کی محتاج ہیں۔ان میں سے تمام لوگ ایسے تھے جو بالکل معمولی حیثیت سے اٹھے۔ بے پناہ عزم و ہمت، لگاتار محنت و مشقت، بلکہ جانکاری و جانبازی کی بدولت اپنی ایجادوں سے عالم انسانیت کے محسن بن گئے......ان کی ہر خداداد صلاحیت صرف اصل کام پورا کرنے کے لیے وقف رہی۔ ایسی ہی سچی اور بے لوث لگن انسانوں کو زندگی کی دوڑ میں کامیاب و بامراد کرتی ہے۔ دیکھئے جب تک یہ لوگ کوئی مفید کام انجام نہ دے سکے، گمنام رہے۔ جب قدر شناسوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ بڑا کارنامہ انجام دے رہے ہیں تو ہمدردی اور امداد و اعانت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی......
>
> یہ بھی ظاہر ہے کہ ان ایجادات کے باعث عالم انسانیت کو بیش بہا فائدے پہنچے اور تسخیر فطرت میں بے انتہا مدد ملی۔ زندہ قوموں کا شیوہ یہی ہے، ہم لوگ اس دائرے میں نئے نئے داخل ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی اللہ کے فضل سے غیر معمولی صلاحیتوں کی کمی نہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ باصلاحیت دلجمعی اور یکسوئی سے ضروری کاموں میں مصروف ہو جائیں اور ایسے کارنامے انجام دیں جن سے انسانیت کو بھی فائدہ پہنچے اور ملک وقوم کا نام بھی دنیا بھر میں روشن ہو۔۱۹

یعنی مترجم نے محض ترجمے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ تمام تر خصوصیات اور اہداف بھی مقدمے میں درج کر دیے جو اس کے مطلوبہ تھے۔اس عالم میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مترجم کو جہاں بھی موقع ملا ہوگا اس نے مصنف کے بیان کو مزید واضح اور ابہام سے پاک کرنے کی سعی کی ہوگی۔

سوانح عمری کی ایک مثال ہیرلڈ لیم کی تحریر کردہ سوانح عمریاں ہیں جو ناول اور تاریخ دونوں کا امتزاج ہیں۔ لیم دراصل داستان طراز تھا جس نے سوانحی ناول تحریر کیے جو مشرقی زندگی کے عکاس ہونے کی بدولت اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کی تحریروں میں افسانہ اور حقیقت دونوں کا کیف ملتا ہے۔ مترجم ایسی تصنیف کو ترجمہ کرتے ہوئے قریباً وہ تمام آزادیاں حاصل کرتا اور ان سے لطف اندوز ہوتا ہے جو افسانوی ادب کے مترجم کو حاصل ہوتی ہیں۔ ہیرلڈ لیم کی مشہور سوانح یا سوانحی ناول ''عمر خیام'' کے مترجم جمیل نقوی کے بارے میں رفیق خاور کی رائے بڑی وقیع ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

> ترجمہ بجائے خود ایک اہم تہذیبی عمل ہے۔اس قدر اہم کہ ہم شاذونادر اس کا تصور کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت عالم فکر ونظر اور تہذیب وتمدن کو ایک ہی سطح پر لانے کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ عمل رک جائے تو دنیا کی ترقی بھی رک جائے۔ یہ بین الاقوامی داد و شد کا مسلسل عمل ہے جو حیات کو برابر تازگی بخش اور تنگنائے کو فراخنائے میں تبدیل کرتا رہتا ہے۔ اگر نصرانیت کو عالمگیر فروغ حاصل ہے اور دنیائے مغربی پر آج تک اس کا تسلط ہے تو اس کا ایک موثر ذریعہ انجیل مقدس کے ترجمے کے سوا اور کیا تھا؟ اور دنیا کے وسیع حصے پر اسلام کا جو اثر ہے اس میں قرآن مجید کے تراجم کو کس قدر دخل ہے؟ ملکی فتوحات کا اثر مسلّم لیکن یہ جلد ہی زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن

تراجم کا مقصد دامن بچا کر مانوس وضع پیدا کرنا ہے یعنی عبارت اپنی زبان میں۔

......پیش نظر ترجمہ میں جمیل نقوی کی تخلیقی صلاحیتیں برقرار رہی ہیں۔انھوں نے ترجمہ بڑی وفاداری سے کیا ہے لیکن اس میں ناگوار حد تک وفاداری کی کوئی علامت محسوس نہیں ہوتی۔مترجم کی طباعی کے جوہر ہرکہیں نمایاں ہیں جو اس کی پیش کش کا حاصل ہیں۔[20]

یعنی کچھ آزادیاں تو خود مصنف نے سوانح تحریر کرتے ہوئے حاصل کیں اور داستان طرازی میں اسلوب کی جو کمی باقی رہ گئی تھی اس کو مترجم نے پورا کر دیا۔ایسی کتاب اور اس کے ترجمے کو غیر افسانوی ادب کی کون سی صنف ادب میں رکھا جائے گا وہ ایک علیحدہ سوال ہے۔مگر اس وقت معاملہ یہ ہے کہ سوانح اور خاکہ نگاری کی وہ مثالیں جو ہیرلڈ لیم کی کتابوں کی صورت میں موجود ہیں۔مترجم ان میں کس حد تک اپنی طباعی اور خلاقی کے جوہر دکھا سکتا ہے۔اس سوال کے جواب سے پیشتر ہیرلڈ لیم ہی کے مصنفہ ''ہینی بال'' کے حرفِ آغاز کی اختتامی سطور پر نظر ڈالنی ضروری ہے۔

......ہینی بال کی صفات اور غائب شدہ قرطاجنہ کی حقیقت واصلیت صفحہ تاریخ سے حرفِ غلط کی طرح مٹنی شروع ہوگئی......ہم صرف اسی چیز کی تلاش کریں گے جو اس کی ذات سے متعلق ہو۔خواہ وہ ایک قدیم قطعی تلوار کے پھل کی صورت میں ملے یا ایک ایسا پتھر ہو جو وہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا، یا کوئی اونی ٹوپی قسم کی چیز ہو جو وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا یا وہ کلینا کی بلندی سے مشہور رومہ کے دروازے کا نظارہ ہو۔اس کے زمانے کے واقعات کو تو مؤرخین نے قلم بند کر دیا ہے، کیوں نہ ہم تصور کے سہارے سفر کر کے اس شخص تک پہنچیں جو ان تمام واقعات کا اصل بانی تھا۔[21]

یہ قریباً اسی طرح کی واردات اور تکنیک ہے جو مولانا محمد حسین آزاد نے ''آب حیات'' کی تصنیف میں کئی بار استعمال کی ہے۔یعنی جہاں اسباب وشواہد اور علائم ختم ہوگئے وہاں تخیل کی سرزمین کا سفر شروع ہوگیا اور فسانہ وحقیقت کو یوں ملا دیا گیا کہ دونوں میں امتیاز ممکن نہ رہا۔اس طرح کی تصنیف کے ترجمے میں قارئین تک حقیقت اور سچ کی ترسیل جو غیر افسانوی ادب کے ترجمے کا مقصود ہے، ممکن نہیں رہتی۔اس عالم میں مترجم کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ کیا وہ اس کی اصلاح کرے اور متن کی درستی کا ذمہ اٹھالے یا محض متن کی ترجمانی تک محدود رہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مترجم متن کا پابند ہے اور وہ کوئی محقق یا تاریخ دان نہیں ہے کہ اس طرح کی اغلاط کی تصحیح کا بیڑہ اٹھا لے۔اس کا کام تو سچ کی ترجمانی کے ضمن میں محض یہ ہے کہ وہ مصنف کے متن کو ہر ممکن حد تک وفاداری کے ساتھ ترجمہ کرے کیونکہ متن کا ترجمہ کرتے ہوئے موجود متن میں کوئی تبدیلی یا اخفاء مترجم کے شایانِ شان نہیں اس کا کام اس سچ کی ترسیل ہے جو متن کی صورت میں موجود ہے۔اس سچ میں چھپے جھوٹ، غلط بیانیوں اور داستان طرازیوں کا احوال وہ کتاب کے حواشی، تعلیقات یا کسی اور کتاب یا مقالے میں لکھ سکتا ہے۔مگر متن کا ترجمہ کرتے ہوئے ان تفصیلات کی ملاوٹ خیانت ہے اور مترجم کے فرائضِ منصبی سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ عبدالقیوم، ڈاکٹر، سوانح نگاری کیا ہے، مشمولہ اردو نثر کا فنی ارتقا، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، الاعجاز پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۳۱۸

۲۔ یحییٰ امجد، اردو میں خاکہ نگاری، مشمولہ اردو نثر کا فنی ارتقا، ص ۳۶۳، ۳۶۲

۳۔ سعید اختر درانی، ڈاکٹر، اردو پر بیرونی زبانوں کے اثرات، مطبوعہ ماہنامہ اخبار اردو، جلد ۲۵، شمارہ ۹، ستمبر ۲۰۰۸ء، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ص ۵۴

۴۔ Withe, Michael, John Gribbin, Stephen Hawking, A life in Science, Penguin Books India, 1992, P.VII

۵۔ شاکر عثمانی، مترجم اسٹیفن ہاکنگ زندگی وخیالات، سٹی بک پوائنٹ کراچی، ۲۰۱۲ء، ص ۹

۶۔ Withe, Michael, John Gribbin, Stephen Hawking, A life in Science, P.1

۷۔ شاکر عثمانی، مترجم، اسٹیفن ہاکنگ زندگی وخیالات، ص ۱۲

۸۔ Withe, Michael, John Gribbin, Stephen Hawking, A life in Science, P.293

۹۔ شاکر عثمانی، مترجم، اسٹیفن ہاکنگ زندگی وخیالات، ص ۱۷۶

۱۰۔ ایضاً، ص فلیپ

۱۱۔ Nida, Eugene "Principles of Correspondence", "The Translation Studies Reader" Edited by Lawrence Venuti, Routledge London & New York, 2000, P.128

اصل متن یہ ہے:

"The primary purpose of the translator may be information as to both content and form. One intended type of response to such an inforative type of translation is largely cognitive ----. A largely informative translation may, on the other hand, be designed to elicit an emotional response of pleasure from the reader or listener."

۱۲۔ نورالدین انور، مترجم، جہدِ مسلسل، سٹی بک پوائنٹ کراچی، ۲۰۱۱ء، ص ۹

۱۳۔ ایضاً، ص ۷، ۸

۱۴۔ ایضاً، ص ۹، ۱۰

۱۵۔ انتظار حسین، افسانوی ادب کے تراجم مسائل اور مشکلات، مشمولہ روداد سیمینار اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مرتبہ اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۲۰۴

۱۶۔ نورالدین انور، مترجم، جہدِ مسلسل، ص ۱۶۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۲۸
اصل متن یہ ہے:

"A translator's purposes may imolve much more than information. He may for example, want to suggest a particular type of behaviour by means of a translation. Under such circumstances he is likely to aim at full intelligibility, and to make certain minor adjustments in detail so that the reader may understand the full implications of the message for his own circumstances."

۱۸۔ اگن لارسن، عظیم لوگ جنھوں نے دنیا بدل ڈالی، مترجم غلام رسول مہر، فکشن ہاؤس ۱۸، مزنگ روڈ لاہور، ص ۸۔۷
۱۹۔ غلام رسول مہر، مقدمہ عظیم لوگ جنھوں نے دنیا بدل ڈالی، مصنف اگن لارسن، فکشن ہاؤس، ص ۵
۲۰۔ جمیل نقوی (مترجم)، عمر خیام، مصنف ہیرلڈ لیم فکشن ہاؤس ۱۸، مزنگ روڈ لاہور
۲۱۔ ہاشمی فرید آبادی سید (مترجم)، بینی بال، مصنف ہیرلڈ لیم، فکشن ہاؤس ۱۸، مزنگ روڈ لاہور، ص ۱۲
۲۲۔ سید محمد حسنین، ڈاکٹر، ادب کی ایک خاص صنف۔ انشائیہ، مشمولہ اردو نثر کا فنی ارتقا، ص ۲۲۱